محمد حنیف ندوی

اساسیاتِ اسلام

(۸)

ذہن خود بخود سوچتا ہے، یا مقدمات ترتیب دیتا ہے۔ نتائج اخذ کرتا ہے اور سائنس اور ٹیکنالوجی کے مضمرات و خوارق کی تخلیق کرتا ہے۔ یہی نہیں جمالیات و اخلاق میں معیاروں اور پیمانوں کی تخلیق بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مشین یہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ذہن و فکر کی تخلیق میں عظیم تر عقل و حکمت کی کارفرمائی جلوہ گر ہو۔

مشین اور انسان میں فرق و امتیاز کی حدود کو واضح کرنے کے لیے فکر و شعور کی بلند پروازیوں کو چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لیے جذبات و تاثرات کی سطح زیریں پر آیئے۔ اور گفتگو کو فلسفہ و منطق کی خشک بحثوں سے نکال کر ادب و جمالیات کے دائرہ میں لایئے۔ اس صورت میں کچھ اس طرح کے سوالات آپ کے ذہن میں آئیں گے کہ کیا مشین متاثر ہوتی ہے؟ اور جذبہ و کیف کی سرمستیوں کا اظہار کر سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے مشین جس طرح عمل (Action) پر قادر ہے، اسی طرح رد عمل (Reaction) بھی اس کا خاصہ ہے۔ چنانچہ یہ ممکن ہے کہ آپ بٹن دبائیں اور ایک تیرہ و تاریک کمرہ آن کی آن میں بقعۂ نور بن جائے، آپ ہوٹل میں داخل ہوں اور دروازے خود بخود کھلتے چلے جائیں۔ آپ پیاس اور تشنگی سے مجبور ہو کر کسی مشین کی طرف ہاتھ بڑھائیں اور وہ کافی یا چائے کا گرم گرم قدح آپ کی طرف بڑھا دے۔ عمل اور رد عمل کی یہ صورتیں آج ساری مہذب دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن کیا ان کو تاثر سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ نہیں! تاثر ایک لطیف جذبہ ہے۔ ایک بامعنی کیفیت ہے۔ اور ایک ایسا غیر مادی ظہور ہے، جس کو کوئی مشین ظاہر نہیں کر سکتی۔ کیا آپ نے کبھی کسی مشین کو ہنستے اور خوش ہوتے ہوئے دیکھا ہے یا غصہ میں لال پیلا ہوتے ہوئے ملاحظہ کیا ہے۔ کبھی کوئی مشین اپنی غلطی پر پچھتائی اور نادم ہوئی ہے یا کبھی کسی مشین کو روٹھتے ہوئے اور عشوہ و ناز کی اداہائے دلستاں کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے پایا ہے؟

ہم مانتے ہیں کہ آپ ان کیفیات کو موضوعی (Subjective) کہہ کر ٹال دینے کی کوشش کریں گے،

لیکن سوال یہ ہے کہ اس طرح کی موضوعی کیفیات کسی مشینی عمل سے کیوں پیدا نہیں ہوتیں؟ مانا کہ جذبہ یا تاثر میں بعض مخصوص قسم کی جسمانی حرکات ہوتی ہیں جو جذبہ و تاثر کی مختلف نوعیتوں پر دلالت کرتی ہیں لیکن ان میں شعور و ادراک کی آمیزش کا ہونا بھی تو ضروری ہے۔

استدلال کے اس اسلوب کو ہم ڈیکارٹ کے اس مشہور اسلوب کے مشابہ قرار دیتے ہیں کہ جس میں اس نے عالم خارجی کے وجود کو یہ کہہ کر ثابت کیا تھا کہ چونکہ میں سوچتا ہوں اس لیے میں ہوں (I Think, Therefore I am) اور چونکہ میں ہوں اس لیے میرے گرد و پیش کے محسوسات بھی میری طرح معروضیت کے حامل ہیں۔ ٹھیک اسی انداز میں ہم صغریٰ و کبریٰ کو کچھ اس طرح ترتیب دیں گے کہ چونکہ ہمارے سوچنے اور متاثر ہونے کا ڈھنگ غیر مادی اور غیر میکانکی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کو وجود میں لانے والی ذات بھی غیر مادی اور غیر میکانکی ہو۔

وجود کی دوسری سطح جس کے بارہ میں قرآن غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے کھلے کھلے نشان ملتے ہیں نظام حیوانی ہے۔ اس کی اعجوبہ کاریوں پر نظر دوڑائیے اور بتائیے کہ کیا ان عجائب کی تشریح مادیت اور کھرے میکانزم سے ہو پاتی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق کرۂ ارض پر بسنے والے حیوانات کی وہ قسمیں جو تنازع للبقا کی کشمکش کے باوجود زندہ رہنے میں کامیاب ہوئیں ان کی تعداد دس لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ ان سب میں ایک ہمہ گیر اور تخلیقی قانون جو کارفرما ہے وہ تباین اور تماثل کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تو لاکھوں مختلف النوع حیوانات پیدا ہوتے ہیں جن کی فطرت، مزاج، شکل و صورت اور خصوصیات دوسروں سے جدا ہوں اور دوسرے ایسے حیوانات وجود کا پیراہن اختیار کرتے رہیں کہ جنھیں ان اصناف مختلفہ کے ذیلی گروہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ جو اپنی صنف سے قدرے مختلف بھی ہوں اور ایک طرح کا اشتراک و تشابہ بھی لیے ہوئے ہوں۔ سوال یہ ہے کہ تباین و تماثل کے اس ہمہ گیر نظام کو کس نے قائم کر رکھا ہے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ محض بخت و اتفاق کی سازگاریوں سے حیوانات میں اس درجہ تنوع پیدا ہو سکے۔ یا متماثل حیوانات میں اس درجہ اشتراک ابھر سکے۔ آخر ایسا کیوں ہے کہ ایک مرغ اور مچھلی میں جو اوصاف پائے جاتے ہیں وہی ان کی تمام ذیلی قسموں میں پائے جائیں۔ ایک مشین یہ تو کر سکتی ہے کہ ایک ہی نہج، سائز اور شکل و صورت کی نپی تلی متعدد چیزیں پیدا کر دے مگر یہ نہیں کر سکتی کہ بیک وقت مختلف اصناف کو بھی جنم دے اور ان میں ایک

ایک صنف کی ذیلی اصناف میں اس صنف کی خصوصیات کو بھی قائم رکھے۔ تباین اور تماثل کا یہ قانون زبردست علم و معرفت چاہتا ہے۔ اور محیر العقل حکمت و دانائی کا متقاضی ہے۔ جس کے سامنے زندگی کا پورا نقشہ اور تفصیلات ہوں۔ اور جو اس لائق ہو کہ اس نقشے کے مطابق زندگی کے بکھرے ہوئے اجزا کو ترتیب دے سکے۔

میکانزم کے نظریہ نے زندگی کے جس تصور کو پیش کیا ہے اس کا انحصار کسی قانون و حکمت کے بجائے محض اتفاق پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کوئی نظم و ضابطہ نہیں۔ کوئی قانون اور طاقت نہیں۔ جو زندگی کی گاڑی کو ایک خاص سمت کی طرف لے جا سکے۔ یہ محض حادثہ و اتفاق کا کرشمہ ہے کہ عناصر ملتے ہیں اور مل کر زندگی کا ایک مظہر بن جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر کسی زندہ حقیقت کو آپ اگر مادی اجزا کی شکل میں دیکھنا چاہیں تو آپ کو اس میں ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کے کچھ حصے ملیں گے۔ علم الکیمیاء کی اصطلاح میں یہی وہ عناصر ہیں جن سے مل کر "خلیہ" معرض ظہور میں آتا ہے۔ اور یہی خلیہ آگے چل کر زندگی کے ان گنت روپ دھارتا اور حیوانات کی لاکھوں قسموں کو پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ وہ کون عامل ہے جو ان عناصر کو اس انداز سے ترتیب دیتا ہے کہ ان میں زندگی پیدا ہو جائے، اور پھر یہ زندگی لاکھوں اور کروڑوں سانچوں میں ڈھلتی چلی جائے۔ مادیت کے حامیوں کے پاس اس کا ایک ہی ترشا ترشایا جواب ہے۔ حرکت اور اتفاق۔ اور اتفاق کی کیا حیثیت ہے؟ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایئے کہ ماہرین شماریات کی تحقیق کی رو سے محض اتفاق سے ایک مول کیول (Molecule) بننے کے لیے دنیا کو تین بلین ارب سال کا طویل عرصہ چاہیے۔ رہی یہ بات کہ مول کیول کو بخت و اتفاق کے بل پر حیوانی خلیہ بننے کے لیے اور اس خلیہ کو زندگی کا ایک متعین پیکر بننے تک کتنی مدت درکار ہو گی، تو اس کا جواب دینا کم از کم انسانی ریاضی کے بس کا روگ نہیں۔

علاوہ ازیں زندگی اگر ساکن (Static) نہیں ہے اور یقیناً ساکن نہیں ہے تو اس میں ایک طرح کا ارتقا (Evolution) پایا جاتا ہے۔ اور ارتقا کے معنی یہ ہیں کہ ایک شے منزل بہ منزل سفر کے لاتعداد فاصلوں کو طے کر کے آگے کو ایک متعین سمت کی طرف بڑھ رہی ہے۔ برگساں کا یہ کہنا یقیناً درست ہے کہ محض مادیت یا میکانزم سے ارتقا کی تشریح نہیں کی جا سکتی۔ اس کے نزدیک خود جوشش حیات اور زندگی کی نشاط آفرینی (ELAN VITL) وہ وہ رہنما عنصر ہے جو

زندگی کے قافلوں کو رواں دواں رکھتی ہے۔ جو ارتقا کے خطوط متعین کرتی ہے۔ جو مختلف منزلوں اور دشوار گذار گھاٹیوں سے اس قافلہ کو صحت و سلامتی کے ساتھ گذارے جانے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے جو زندگی بھی ہے، حرکت بھی ہے اور شعور بھی ہے۔ اس سلسلہ کو طاقت بخشتی اور آگے بڑھاتی ہے۔

گویا زندگی آپ زندگی کی رہنما ہے۔ اور خود اس کے اندر بقا و تخلیق کے وہ مضمرات پائے جاتے ہیں جو ذرہ سے خلیہ اور خلیہ سے حیوان بننے تک کی تمام دشواریوں پر قابو پالینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہی زندگی کی کشتی بھی ہے، موج آب بھی ہے اور ملاح بھی ہے۔ برگساں کے اس نظریۂ حیات سے کھری اور ساکن و راکد مادیت یا بے جان میکانزم کی بلاشبہ تردید ہو جاتی ہے۔ اور یہ حقیقت نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مادہ میں۔ عناصر مادہ میں۔ یا اس کے اندر چھپی ہوئی توانائیوں میں یہ صلاحیت ہرگز نہیں کہ وہ اپنی طبعی حدود سے آگے نکل کر زندگی اور شعور تک کی ارتقائی منازل کو طے کر سکیں۔ ہاں زندگی اور اس کی ترکتازیاں البتہ اس لائق ہیں کہ جن سے کائنات کی جملہ بوقلمونیوں کی تشریح ہو سکے۔

برگساں کے اس نظریہ کی اساس دراصل کائنات کے بارہ میں یہ نقطۂ نظر ہے کہ حقیقت ساکن و راکد۔ یا کوئی بنی تلی اور محدود شے نہیں جیسا کہ ایک سائنس داں سمجھتا ہے بلکہ حقیقت ارتقا کا نام ہے، مسلسل حرکت سے تعبیر ہے اور ہر آن و ہر لحظہ تخلیق و اختراع کے عمل کو کہتے ہیں۔ اس کے نزدیک حقیقت کو سمجھنے کے لیے عقل و منطق کی ہر وہ کوشش ناکام رہے گی جس کی تہ میں کائنات کے متعلق یہ بوسیدہ خیال پنہاں ہو کہ یہ بے جان، ساکن اور ٹھس مادہ کی کرشمہ سازی ہے۔

ہماری رائے میں برگساں کے فلسفہ میں اس حد تک تو قطعی سچائی ہے کہ یہ عالم بے جان اور حرکت و ارتقا سے محروم مادہ کی شعبدہ طرازیوں کا مرہون منت نہیں۔ لیکن "ایلان وتیال" کی اصطلاح ہمارے نزدیک توضیح طلب، تشنہ اور اجمال کی حامل ہے کیونکہ زندگی بجائے خود کوئی تخلیقی عنصر نہیں جیسا کہ برگساں سمجھتے ہیں۔ اس کو تو ایک تخلیقی ذات کا محض تخلیقی عمل کہنا چاہیے:

ذالک تقدیر العزیز العلیم (انعام ۹۶) ۔ کائنات کے اس اسلوب کو پیدا کرنے والی ایسی ذات ہے جو قدرت و علم کی فراوانیوں سے متصف ہے۔

اور یہ عمل یا تخلیق و آفرینش کی یہ ادا، سکون اور ٹھہراؤ سے ناآشنا، متحرک، رواں دواں ہے۔ اس لیے کہ اس کا تعلق ایسی ذات گرامی سے ہے کہ جو قرآن کی رو سے ہر آن ایک نئی شان کے ساتھ

جلوہ گر ہے:

کل یوم ھو فی شان (رحمٰن ۲۹) وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں رہتا ہے۔

وجود کی تیسری سطح نباتی (Batanical level) ہے۔ قرآن حکیم جب یہ کہتا ہے کہ زمین میں نشانیاں ہیں۔ یا جب واضح لفظوں میں انسان کی عنان توجہ کو زمین کی پیداوار یا اس کے ان خزائن کی طرف پھیرتا ہے کہ جن کا تعلق روئیدگی کی مختلف النوع نشاط کاریوں سے ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تمھیں اس راہ میں بھی ایسے نقوش کف پا کا اندازہ ہو سکے گا کہ جن کی مدد سے تم براہ راست حکیم و علیم خدا کے حریم قدس تک رسائی حاصل کر سکو۔ دلیل کے اس انداز کو قرآن نے بہت اہمیت دی ہے۔ اور متعدد اسالیب بیان سے اس کی وضاحت کی ہے:

افرءیتم ما تحرثون ء انتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ۝ لو نشاء لجعلنہ حطاما فظلتم تفکھون ۝ (واقعہ ۶۵)

بھلا یہ تو بتلاؤ کہ جو کچھ تم بوتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔ ہم اگر چاہیں تو اس کو چورا چورا کر دیں۔ اور تم باتیں ہی بناتے رہو۔

وھو الذی انشا جنت معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا اکلہ والزیتون والرمان متشابھا و غیر متشابہ ط (انعام ۱۴۱)

اور وہی اللہ ہے جس نے باغات کو پیدا کیا۔ ان کو بھی جن میں بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی جاتی ہیں۔ اور ان کو بھی جن میں بیلیں ٹٹیوں پر نہیں چڑھائی جاتیں۔ اسی نے کھجور کو پیدا کیا، اسی نے کھیتیاں پیدا کیں جن میں کھانے کی گوناگوں چیزیں اگتی ہیں۔ اسی نے زیتون اور انار پیدا کیے جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔

ھو الذی انزل من السماء ماء لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ تسیمون ۝ ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن کل الثمرات ان فی ذالک لآیۃ لقوم یتفکرون ۝ (النحل ۱۱)

وہی ذات ہے جس نے تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا۔ اسی پانی کو تم پینے کے لیے استعمال کرتے ہو۔ اور اسی سے وہ درخت اگتے ہیں، جن میں تم مال ڈھور چراتے ہو اور اسی پانی سے تمھارے لیے کھیتی، زیتون، کھجور، انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتا ہے۔ سوچنے والوں کے لیے اس میں بہت بڑی دلیل پائی جاتی ہے۔

قرآن حکیم نے نظر افروز روئیدگی کو، لہلہاتی ہوئی کھیتی کو، اور راحت افزا باغ، غذا بخش اناج اور

پھلوں کو بطور آیت اور دلیل کے پیش کیا ہے۔ اس میں استدلال کے تین پہلو ہو سکتے ہیں۔ جمالیاتی، افادی۔ اور وہ عجائب اور طرفہ طرازیاں جو نباتی نظام کی داخلی خصوصیات ہیں۔ ہم یہاں صرف دو ہی پہلوؤں پر نظر ڈال لینا کافی سمجھتے ہیں۔

(۱) سوال یہ ہے کہ اس تمام عالم نباتات میں فیض رسانی کا جو ہمہ گیر قانون پایا جاتا ہے، اس کی مادی اور میکانکی توجیہہ کیا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ ان میں ہماری غذا کا پورا پورا اہتمام ہے۔ کیوں ان میں حیاتین کی وہ تمام قسمیں پائی جاتی ہیں جو انسانی اور حیوانی جسم کی تربیت، پرورش، اور تحفظ کے لیے بہت ضروری اور مفید ہیں۔ مزید برآں ان میں ان ہزاروں عجیب وغریب عقاقیر، اور جڑی بوٹیوں کے وجود کے لیے کیا وجہ جواز ہے جو محض انسانی امراض کے ازالہ کے لیے ہیں؟ کیا افادے اور فیض رسانی کی ان مخصوص نوعیتوں سے اس بات کا اندازہ نہیں ہوتا کہ نظم واہتمام کی ان صورتوں کو پیدا کرنے والی ایک شفیق ورحیم ذات ہے۔ جو ایک وقت مقررہ تک بہرحال ہمیں زندہ اور تندرست رکھنا چاہتی ہے۔ تاکہ ہم اطمینان کے ساتھ تہذیب وتمدن کے صحت مند تقاضوں کی تکمیل کر سکیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ جناب یہ تو حضرت انسان کی ہزاروں اور لاکھوں برس کی فکر و کاوش کا نتیجہ ہے کہ اس نے یہ بات دریافت کی کہ نباتات کے اس جنگل میں کون چیزیں ہمارے لیے غذا کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ اور اناج اور پھلوں میں سے کون ایسے ہیں کہ جن سے لذت کام ودہن کا کام لیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح ہزاروں برس کے تجربے نے عقاقیر اور جڑی بوٹیوں میں نفع رسانی، اور شفا بخشی کی خصوصیات معلوم کیں۔ اس دریافت اور انکشاف کا سہرا تو ان گنت انسانوں کے سر ہے جنھوں نے صدیوں کی محنت اور جانفشانی سے نباتات کے اس ہجوم میں ان نفع مند چیزوں کو ڈھونڈ نکالا یا ان کو چھانٹا اور ان سے طرح طرح کی دوائیں تیار کیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے نظم واہتمام کی کارفرمائیوں کا بھلا کیا دخل ہے؟

جواب بظاہر خاصہ تیکھا ہے لیکن اس میں مغالطہ (Fallacy) یہ پنہاں ہے کہ انسانوں نے محنت وجانفشانی سے انہی خصوصیات کو تو آخر دریافت کیا ہے جو پہلے سے ان میں اللہ تعالیٰ نے ازراہ شفقت و ربوبیت ودیعت کر رکھی تھیں۔ ان کو پیدا تو نہیں کیا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ان اشیاء میں اس لذت کو اس فائدہ کو، اور نفع وشفا بخشی کی ان صورتوں کو جنم نہ دیتی تو سرے سے زندگی ہی اس کرۂ ارض پر اپنے وجود

کو قائم نہ رکھ سکتی چہ جائیکہ دریافت وانکشاف کا مرحلہ پیش آتا ۔ دُور کیوں جائیے ۔ اس بات پر غور کیجیے کہ وہ پہلی غذا جو صاف اور صحت بخش اور تقاضائے عمر کے مطابق انسان کو دودھ کی شکل میں ماں کی چھاتیوں میں ملتی ہے ۔ یہ بھی محض اتفاق ہے اور اس کو بھی انسانی علم وشعور نے دریافت کیا ہے ۔ کیا ماں ، اس کی مامتا ، اس کی چھاتیوں میں دودھ کے خزائن کی فراوانی اور بچے میں اس دودھ کو حاصل کرنے کی خواہش و طلب ۔ اور معدہ میں استعداد ہضم ۔ یہ ساری چیزیں محض بخت واتفاق کا کرشمہ ہیں ؟ ربوبیت اور پرورش کی یہ کھلی کھلی اور واضح نشانیاں آخر کیوں مادّہ پرست انسانوں کو نظر نہیں آتیں ۔

(۲) جہاں تک نباتات کے داخلی نظام کی تحیر زائیوں کا تعلق ہے وہ بہت ہیں اور گہرا مطالعہ چاہتی ہیں ۔ اختصار کے ساتھ جو خصوصیات اس نظام کو میکانکی نظام سے جدا کرتی ہیں وہ حفظ صنف ، صلاحیت افزائش اور ایک طرح کی حساسیت ہے ۔

حفظ صنف اور صلاحیت افزائش کے معنی یہ ہیں کہ پودوں ، درختوں اور پھلوں کی جو الگ الگ خصوصیات ہیں وہ ہزاروں برس سے آج بھی وہی ہیں جو پہلے دن سے ان میں پائی جاتی تھیں ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کی ہر ہر صنف صلاحیت افزائش کی وجہ سے اپنے مخصوص امتیازات کو آئندہ نسلوں میں اس طرح منتقل کرتی رہتی ہے کہ جس سے قرن ہا قرن گذر جانے کے بعد بھی گیہوں گیہوں ہی رہتا ہے ۔ چنا چنا ہی رہتا ہے ، اور انگور اور سیب باوجود اپنی بوقلمونیوں اور ذیلی قسموں کے اسی مزہ اور کیفیت کو باقی رکھنے میں کامیاب رہتے ہیں کہ جن کی وجہ سے انگور کو ہم انگور کہتے ہیں ۔ اور سیب کو سیب کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ اس کا ثبوت موہنجو ڈارو ، اور فراعنہ کے مقابر سے دستیاب ہونے والے گندم اور دوسرے پودوں کی پیداوار سے مل سکتا ہے ۔ جن میں زمانہ کے عظیم تر تغیر کے باوجود کوئی بنیادی تبدیلی دکھائی نہیں دیتی ۔ غور طلب یہ نکتہ ہے کہ کیا مشین میں توالد اور افزائش نسل کی یہ صلاحیت پائی جاتی ہے ۔ اور کیا مشین میں کسی ایسے جزو ترکیبی کا سراغ مل سکتا ہے جو حفظ صنف کے فریضہ کو ہمیشہ ہمیشہ انجام دیتا رہے ۔

حساسیت کا مطلب یہ ہے کہ پودوں میں جہاں جہاں حفظ صنف کا داعیہ پایا جاتا ہے وہاں ان میں یہ بھی صلاحیت ہے کہ مختلف ملکوں میں آب وہوا کا اختلاف رنگ اور ضخامت کے جن جزوی تغیرات کو پیدا کرنا چاہتا ہے اس کو یہ قبول کریں ۔ اور اس ماحول میں اپنے کو ڈھال لیں اور نئے تنوع کو جنم دیں ۔

ان خصوصیات کے علاوہ ، جو چیز نباتات کو میکانکی حقیقت سے علٰحدہ ایک زندہ حقیقت قرار دیتی ہے وہ

اس کی نمو پذیری ہے۔ یعنی اس کے ارتقا کی یہ شکل کہ ایک نباتی خلیہ دیکھتے ہی دیکھتے تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ نمو پذیر نباتی خلیہ کا اندرونی نظام اس درجہ متحرک، پیچیدہ اور حیرت افزا ہے کہ کوئی ماہر نباتات یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ٹھس اور بے جان مادہ کا پیدا کردہ ہے۔

خود مادہ کے بارہ میں جو سطح وجود کی چوتھی اور آخری قسم ہے جو انقلاب آفریں انکشافات اس صدی میں ہوئے ہیں ان سے میکانزم کا حصن حصین پاش پاش ہو کر رہ گیا ہے۔ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ نوات ذرہ ( ) کو جو کہربائی نقطے گھیرے ہوئے ہیں، ان کی حرکت وجنبش میں علت ومعلول کا کوئی بنا تلا اور جانا بوجھا قانون کارفرما نہیں۔ یہاں وہ عالم گیر تخلیقی سلسلہ یکسر ٹوٹ کر رہ جاتا ہے جو پوری کائناتِ مادی میں جاری وساری ہے اور جس کی وجہ سے اس عالم میں ربط وضبط، نظام اور باقاعدگی کا چلن ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال کے پیش نظر محض بخت واتفاق کا سہارا کافی نہ ہو گا۔ زمانۂ حال کی تحقیق اشکال کی اس نوعیت کو نکھار کر فکر ونظر کے سامنے آئی ہے کہ باطن ذرہ میں اگر کسی قاعدہ اور قانون کی کارفرمائی کا پتہ نہیں چلتا تو منظم قانون کی یہ استواریاں جو اس کائنات کی جان ہیں آئی کہاں سے ہیں؟ قاعدہ قاعدہ سے ابھرتا ہے لاقانونیت سے نہیں!

۴

بظاہر جواب کی دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو ہم اس بات کو تسلیم کر لیں کہ خود ذرہ کی حرکت وجنبش میں کوئی تخلیقی قوت کارفرما ہے۔ یہی نہیں اس کارفرما قوت میں شعور وادراک کے لطائف بھی ہیں۔ اور یا پھر ارتقا کی ان تمام منزلوں کی دیکھ بھال اور نگرانی براہِ راست ایک علیم وخلاق ہستی کے سپرد ہے۔ جواب کی کسی بھی نوعیت کو تسلیم کر لیا جائے۔ بہ اختلاف الفاظ نتیجہ واحد ہے۔ یعنی تنہا یہ نوات ذرہ کے بس کا روگ نہیں کہ اس عالم کی گہما گہمیوں کی تخلیق کر سکے، اور اس میں نکہت ورنگ کے ہزاروں اور لاکھوں تنوعات کو منصۂ وجود پر لا سکے۔ ضرور ہے کہ کائنات کے اس پردۂ زنگاری کے پیچھے کوئی سلیقہ شعار معشوق جلوہ گر ہو۔

مزید برآں اس صدی کا سب سے اہم سائنسی اعجاز یہ ہے کہ انسان ذرہ کو چیر کر اس بے پناہ توانائی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو آگے چل کر ایک نئے تہذیبی عہد کا نقطۂ آغاز بن سکتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر ذرہ پھٹ کر بے پناہ توانائی میں بدل سکتا ہے تو اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ مادہ پہلے توانائی تھا۔ یہ توانائی کس نے پیدا کی، اور پھر اس توانائی نے کب اور کیسے ٹھوس مادہ کا روپ دھارا؟ یہ سوالات

بھی اپنی جگہ ایسے ہیں جو طبیعیات والٰہیات کے طلبہ کے لیے خصوصیت سے شائستہ التفات ہیں۔ اس سلسلہ میں سائنس سے دلچسپی رکھنے والوں کو جواب سوچنے سے پہلے اس نکتہ پر اچھی طرح غور کر لینا چاہیے کہ توانائی اور ذرہ میں اختلاف محض کمیت (Quantity) کا نہیں، نوعیت (Quality) کا ہے۔ اور اختلاف کی یہ نوعیت دونوں میں جس خلیج کی نشاندہی کرتی ہے اس کو کسی بھی مادی اور میکانکی نظریہ سے پاٹنا ممکن نہیں۔

(باقی)

اسلامی جمہوریت

(مولانا رئیس احمد جعفری)

ملوک وسلاطین کا زمانہ گزر گیا اور موجودہ دَور سلطانیِ جمہور کا زمانہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ درحقیقت جمہوریت کیا ہے؟ اس کی تعریف کیا ہے؟ اور اس کے حدود و خصائص کیا ہیں؟ یہ کس طرح بروئے کار آتی ہے اور اس کا تحفظ کس طرح کیا جاتا ہے۔ دنیا نے اس کا جواب مختلف انداز میں دیا ہے۔ لیکن اسلام نے جس جمہوریت کا خاکہ دنیا کے سامنے پیش کیا اور اس پر عمل کر دکھایا وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل منفرد اور یکتا ہے۔ اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ اسلامی جمہوریت کی وضاحت کی گئی ہے۔ قیمت، ۹ روپے

تصوّراتِ عرب قبل اسلام

(مؤلفہ عبید اللہ قدسی)

اس کتاب میں جزیرۂ عرب قبل اسلام کی تہذیب، ثقافت، عقائد، دینی شعائر اور ان کے نظریۂ حیات و موت کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ قیمت چار روپے پچاس پیسے ۵۰/۴ روپے

ملنے کا پتہ

سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ۔ لاہور